POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 October 2025, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages
8

HAMARI
ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 86 واں سال

Date of Publication: 02-10-2025 • Price: 5/- • 8-14 October 2025 • Issue: 38 • Vol:84

۸تا۱۴/اکتوبر ۲۰۲۵ء • شمارہ: ۳۸ • جلد: ۸۴

صحتِ زبان (۳۲)

رؤف پاریکھ

☆ بہوؤں، بچھوؤں، بھالوؤں، خالوؤں

ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ جب پہلے بیٹے کی شادی کی تو گھر میں بہو آ گئی اور دوسرے بیٹے کی شادی کی تو گھر میں 'بہو بہوٗ' ہوگئی۔ نہیں صاحب! ان کا مذاق اپنی جگہ، نہ تو ہم دو بہوؤں کی آپس کی لڑائی کو کسی آواز سے تشبیہ دے رہے ہیں نہ انھیں بچھوؤں سے ملا رہے ہیں۔ عنوان دیکھ کر کچھ لوگوں کو یہ گمان بھی ہوا ہوگا کہ ہم خالوؤں کو بھالوؤں سے ملا رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ عرض صرف یہ کرنا ہے کہ اردو کے بعض الفاظ کے املا میں بعض لوگ بالخصوص طالبِ علم الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ان میں کتنے واو (و) آئیں گے اور ہمزہ کہاں لگے گا، بلکہ ہمزہ لگے گا بھی یا نہیں، مثلاً بہوؤں، بچھوؤں، آلوؤں، بھالوؤں، خالوؤں وغیرہ میں۔

اس سلسلے میں جو اصول اردو املا کے دو بڑے ماہروں یعنی عبدالستار صدیقی اور رشید حسن خان نے بتائے ہیں ان کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ[1]:

اردو میں جب کوئی اسم اپنی اصلی حالت میں قائم رہتا ہے تو اسے قائم حالت کہتے ہیں اور جب اسم کے بعد کوئی حرفِ ربط آ جائے (مثلاً نے، کو، پر، تک، سے) تو اس کی حالت بدل جاتی ہے اور اس بدلی ہوئی حالت کو محرّف حالت کہتے ہیں۔ اس محرف حالت میں لفظ کا تلفظ اور املا بدل جاتا ہے، مثلاً اگر کسی مذکر اسم کا آخری حرف الف ہو تو محرف حالت میں واحد کی صورت میں الف کی جگہ 'ے' آ جائے گا اور جمع کی صورت میں الف کی جگہ 'وں'۔ مثال کے طور پر 'بکرا' اسمِ مذکر ہے۔ اس کی جمع ہے بکرے۔ لیکن لفظ 'بکرا' کے بعد کوئی حرفِ ربط آ جائے تو واحد ہوتے ہوئے بھی بکرا کے بجائے بکرے بولا جائے گا، مثلاً ایک بکرے نے، ایک بکرے کو، ایک بکرے پر (یہاں بکرے کا لفظ جمع نہیں ہے بلکہ واحد ہے اور محرف حالت میں ہے)۔ اسی طرح جمع کی محرف حالت میں 'بکرے' کا لفظ 'بکروں' ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر:

واحد: ایک بکرا بھاگا۔ ایک بکرے نے چارا کھایا۔

جمع: دو بکرے بھاگے۔ دو بکروں نے چارا کھایا۔

گویا مذکر اسم کی جمع اگر محرف حالت میں آئے تو اس کے آخر میں سے 'ے' نکال کر اس کی جگہ 'وں' لگا دیتے ہیں۔ جیسے: لڑکا، لڑکے، لڑکوں۔ مرغا، مرغے، مرغوں۔ بڈھا، بڈھے، بڈھوں۔ اور اگر اس لفظ کے آخر میں واو (و) موجود ہے (مثلاً آلو، بھالو) تو دو 'وٗ' (واو) لکھے جائیں گے۔ گویا ایک واو تو 'وں' کا ہوگا اور ایک واو خود اس کے املا میں موجود ہے اسی لیے یہ اصول ٹھہرا کہ جن الفاظ کا آخری حرف واو (و) ہو جب ان کی جمع محرف حالت میں آئے گی تو اس میں دو (۲) واو (و) لکھے جائیں گے اور دوسرے واو کے اوپر ہمزہ لکھا جائے گا۔ جیسے:

— آلو سے آلوؤں، مثلاً: آلوؤں کو اُبال لو۔ ('کو' حرفِ ربط ہے)

— بھالو سے بھالوؤں، مثلاً: چڑیا گھر میں بھالوؤں نے بچوں کو ڈرا دیا۔ ('نے' حرفِ ربط ہے)

— خالو سے خالوؤں، مثلاً: اس نے اپنے تینوں خالوؤں سے عیدی لی۔ ('سے' حرفِ ربط ہے)

اسی طرح: بچھو سے بچھوؤں۔ دوسری مثالیں یہ ہیں: آنسوؤں، چاقوؤں، بازوؤں، ٹٹوؤں، زانوؤں، جھاڑوؤں، ہندوؤں، سادھوؤں، اُلّوؤں، پہلوؤں، جادوؤں، چُلّوؤں، ڈاکوؤں۔ اس کی مزید مثالیں رشید حسن خان نے اپنی کتاب اردو املا میں دی ہیں۔

☆ بے باک یا بے باق؟

دونوں درست ہیں لیکن دونوں کا مفہوم الگ ہے۔ البتہ ان کے استعمال میں کبھی کبھی گڑبڑ ہو جاتی ہے اور اکثر بے باق کو بھی بے باک لکھ دیا جاتا ہے۔

باک فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں خوف، ڈر، اندیشہ، جھجک، پروا۔ بے باک یعنی وہ جسے کوئی خوف یا پروا نہ ہو، جسے اندیشہ یا جھجک نہ ہو، جسے کوئی دھڑکا نہ ہو، بے خوف، بے دھڑک، دلیر۔ جیسے: اس بے باک لڑکے نے بڑی جرأت سے ہر سوال کا جواب دیا۔ جب کہ باق کے بارے میں اردو لغت بورڈ کی لغت میں لکھا ہے کہ یہ عربی لفظ باقی کی تخفیف ہے[2]۔ گویا بے باق کا مطلب ہے جس میں کچھ باقی نہ ہو۔ جیسے: ہمارا آپ کا حساب بے باق ہو گیا (یعنی ساری رقم ادا ہو گئی اب کوئی حساب باقی نہیں رہا)۔ اس لیے بے باک اور بے باق کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہیے۔

☆ نماز پڑھنا ہے یا نماز پڑھنی ہے؟

کسی نے پوچھا ہے کہ کیا درست ہے، نماز پڑھنا ہے یا نماز پڑھنی ہے؟

مختصر جواب تو یہ ہے کہ دونوں درست ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اردو میں مصدر کی بھی تانیث ہوتی ہے۔ مثلاً آنا، جانا، کھانا، پینا، پڑھنا، لکھنا، کرنا وغیرہ مصدر ہیں اور ان کو مذکر حالت اور مؤنث حالت دونوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے، بشرطے کہ اسم مونث ہو، مثلاً روٹی کھانی ہے، لسّی پینی ہے، کتاب لکھنی ہے، نماز پڑھنی ہے، بات کرنی ہے وغیرہ۔ ان کو مصدر کی مذکر حالت میں بولا جائے تو یوں کہیں گے: روٹی کھانا ہے، لسّی پینا ہے، کتاب لکھنا ہے، نماز پڑھنا ہے، بات کرنا ہے وغیرہ۔ دونوں صحیح ہیں کیونکہ یہ سارے اسم (روٹی، لسّی، نماز، کتاب، بات) مؤنث ہیں۔ البتہ اگر اسم مذکر ہو، مثلاً شربت یا اخبار، تو اس کے ساتھ مصدر یا فعل کی تانیث نہیں آ سکتی بلکہ صرف مذکر فعل آئے گا۔ یعنی یوں نہیں کہہ سکتے کہ شربت پینی ہے یا اخبار پڑھنی ہے، بلکہ شربت پینا ہے اور اخبار پڑھنا ہے ہی درست جملے ہوں گے۔

اس ضمن میں حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے احسن مارہروی کی رائے پیش کی ہے جو یہ ہے:

"بات کرنا اور کرنی کا فرق یاد رکھو۔ جب کسی مذکر لفظ کے بعد فعل آئے تو مذکر۔ اور جب مؤنث لفظ ہو تو اس کا فعل مؤنث چاہیے۔ جیسے روٹی کھانی، جان دینی وغیرہ۔ یہ زبانِ دہلی کی خصوصیت ہے۔ بات کرنا، روٹی کھانا لکھنؤ کا روزمرہ ہے۔ اب اگرچہ وسعتِ زباں کے خیال سے دونوں روزمرے خلط ملط ہو گئے ہیں اس لیے عام طور

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

سے اس کا لحاظ اٹھ گیا ہے۔ یہ [بات] بطور آگاہی لکھ دی ورنہ میں 'بات کرنا' غلط نہیں سمجھتا''۔[۳]

دراصل لکھنؤ والے مصدر کی تذکیر کو ترجیح دیتے ہیں اور مثلاً کہتے ہیں کہ بات کرنا ہے۔ دہلی والے تانیث کو ترجیح دیتے ہیں اور یوں کہیں گے بات کرنی ہے۔ گویا دہلی میں ایک رجحان یہ ہے کہ اگر اسم مونث ہو تو فعلِ مرکب میں علامتِ مصدر 'نا' کو 'نی' سے بدل دیتے ہیں۔ دہلی کے شاعر بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں:

بات کرنی مجھے مشکل، کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تیری محفل، کبھی ایسی تو نہ تھی
لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بے قراری تجھے اے دل، کبھی ایسی تو نہ تھی

یہاں ظفر نے 'بات کرنی' کہا ہے۔ اس میں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اردو میں فعل کی مطابقت تعداد اور جنس سے بھی ہوتی ہے۔ ظفر نے جو ردیف لی ہے (یعنی: کبھی ایسی تو نہ تھی) اس کی جنس مؤنث ہے اور اس سے متعلقہ اسم کا مؤنث ہونا ضروری ہوگیا تاکہ فعل اور اسم میں مطابقت ہو سکے۔ چناں چہ پہلے شعر میں قافیے 'مشکل' اور 'محفل' ہیں جو مونث ہیں (مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی، محفل کبھی ایسی تو نہ تھی)۔ دوسرے شعر میں قافیہ تو 'دل' ہے جو مذکر ہے لیکن ردیف 'کبھی ایسی تو نہ تھی' کی مطابقت یہاں 'بے قراری' سے ہوتی ہے یعنی وہ کہہ رہے ہیں کہ اے دل، تجھے ایسی بے قراری تو کبھی نہ تھی (بے قراری مؤنث ہے)۔

اگر لکھنؤ کا کوئی شاعر یہ شعر کہتا تو پہلا مصرع یوں ہوتا:

بات کرنا مجھے مشکل کبھی ایسا تو نہ تھا

لیکن دوسرے مصرعے میں پھر وہ 'محفل' بطور قافیہ نہیں لا سکتا تھا۔ یعنی وہ یوں نہیں کہہ سکتا تھا کہ ''جیسا اب ہے تیرا محفل کبھی ایسا تو نہ تھا''۔

دہلی والوں کے ہاں مصدر کی تانیث کی اور بھی مثالیں ہیں، مثلاً داغ دہلوی کہتے ہیں:

بات کرنی تک نہ آتی تھی تمھیں
یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

گویا 'بات کرنی تک نہ آتی' نہ کہ 'بات کرنا تک نہ آتا'۔ حالاں کہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ 'بات کرنا تک نہ آتا تھا تمھیں'۔

فتح محمد جالندھری نے لکھا ہے کہ اگر مصدر کے ساتھ مونث لفظ ہو تو الف کو 'ی' سے بدل دیتے ہیں، جیسے روٹی کھانی، کتاب پڑھنی، کوشش کرنی، اور بعض اوقات نہیں بھی بدلتے اور اہلِ لکھنؤ تو اس میں مطلق تصرف نہیں کرتے۔[۴] مراد یہ کہ لکھنؤ والے روٹی کھانی یا کوشش کرنی نہیں بولتے بلکہ روٹی کھانا اور کوشش کرنا ہی بولتے ہیں۔

لیکن ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے وضاحت کی ہے کہ اگرچہ لکھنؤ میں عموماً علامتِ مصدر (یعنی 'نا') کا تغیر نہیں ہوتا (یعنی اسے 'نی' نہیں لکھتے یا بولتے) لیکن اس میں مستثنیات ضرور ہیں اور جو صاحب جس طرح چاہیں لکھیں، کوئی مزاحم نہیں[۵] کیوں کہ لکھنؤ کے بعض اہلِ قلم نے بھی مصدر کی تانیث استعمال کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پھر یہ مثالیں دی ہیں:

مشکل پڑی حضور کو گھر رات کاٹنی
دیکھے ہمارے نالۂ شب گیر کے خواص

یعنی رات کاٹنا کے بجائے رات کاٹنی۔ یہ امیر مینائی کا شعر ہے اور امیر مینائی لکھنؤ کے تھے۔

دیا شنکر نسیم کا شعر ہے:

سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی
ہے سانپ کے منھ میں انگلی دینی

یعنی کف میں لینا اور انگلی دینا کے بجائے کف میں لینی اور انگلی دینی۔ نسیم بھی لکھنؤ کے تھے۔

ضیاء دہلوی نے رسالہ 'تحقیقاتِ ضیاء' میں جلال لکھنوی کے کلام سے استناد کرتے ہوئے کہا ہے کہ علامتِ مصدر ('نا') کو لکھنؤ میں تانیث کے صیغے میں (یعنی 'نی') بھی لکھا گیا ہے، مثلاً:

میری فریاد الگ سنی تھی اے داورِ حشر
اہلِ محشر میں کیا کاہے کو شامل مجھ کو[۶]

گویا فریاد 'سننا' کے بجائے 'سنی' بھی درست ہے اور مصدر کی تانیث لانا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسم مؤنث ہو (جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں بات، رات، زلف، انگلی اور فریاد ہیں)۔ نیز یہ کہ لکھنؤ میں بھی کوئی ایسی سختی نہیں ہے کہ مصدر کی تانیث آ ہی نہیں سکتی۔ کبھی آ بھی جاتی ہے، بالخصوص متاخرین شعرائے لکھنؤ کے ہاں۔

اور ویسے بھی قابلیت یا وصفیت کے معنوں میں بعض اوقات اردو میں حاصلِ مصدر بناتے وقت علامتِ مصدر 'نا' کو 'نی' سے بدل دیتے ہیں، جیسے: ہونا سے ہونی اور اَن ہونی، آنا جانا سے آنی جانی، چبنا سے چبنی (چابنے کی چیز) اور سونگھنا سے سونگھنی (سونگھنے کی چیز)، وغیرہ۔ مثلاً وحیدالدین سلیم نے وضعِ اصطلاحات میں 'نی' کو بطور لاحقۂ وصفیت اور قابلیت لکھ کر یہ مثالیں دی ہیں: ''چبنی ہڈی، سونگھنی (ہلاس) وغیرہ''۔[۷] لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا کہ اردو میں مصدر کی بھی تانیث ہوتی ہے۔

حواشی:

۱۔ عبدالستار صدیقی، مقالاتِ صدیقی (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء)، ص ۲۱۹-۲۰۹؛ نیز رشید حسن خان، اردو املا (دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۲۷-۴۲۲ (دوسرا ایڈیشن)۔
۲۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۲، (کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۹ء)۔
۳۔ علمی نقوش (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، سنہ ندارد)، ص ۲۱۵-۲۱۴
۴۔ مصباح القواعد، حصۂ اول (رام پور: اشاعت خانۂ رام پور، ۱۹۴۵ء)، ص ۲۷۔
۵۔ جامع القواعد، (لاہور: مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۷۳ء)، ص ۶۳۔
۶۔ بحوالہ وجاہت حسین صدیقی جھنجھانوی، اختلاف اللسان (لاہور: (طابع) رفاہِ عام پریس، ۱۹۰۶ء)، ص ۷۶-۷۵
۷۔ (کراچی: انجمن ترقیِ اردو، ۱۹۶۵ء)، ص ۱۴۳ (اشاعتِ پنجم)۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک 19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300 روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین و مقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرورالہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ مینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من و تو (تحقیقی و تنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات و مضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق و توازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری و تاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

مولانا برکت اللہ کے بھوپال میں گزرے سن و سال

عارف عزیز

عظیم مجاہدِ آزادی مولانا برکت اللہ بھوپالی کی سوانح ایک ایسے مردِ آہن کے حالاتِ زندگی ہیں جس نے اپنی طویل زندگی دنیا کی سب سے بڑی طاقت اور اس کے جابرانہ نظام سے مقابلہ کرنے میں صرف کردی، شکست پر شکست کھائی لیکن ہمت وحوصلہ نہ ہارا، عمر بھر اپنے مقصد کے لیے دیوانہ وار جدوجہد کرتے رہے۔ مولانا برکت اللہ، بھوپال کے ایک معمولی پولس ملازم مولوی شجاعت اللہ کے یہاں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا تعلق افغانستان سے تھا۔ مولانا نے خود اپنی تحریروں میں افغانستان کے پٹھان خاندان اجھو خانی سے اپنا تعلق ظاہر کیا ہے۔ والد مغلوں کے آخری دور میں ہندستان آئے۔ پہلے شمالی ہند کے کسی مقام بدایوں یا بانس بریلی میں قیام کیا، لیکن بدامنی اور شورش کو دیکھ کر وسط ہند کی ایک نسبتاً پُرسکون مسلم ریاست بھوپال کا رخ کرلیا۔ شاکر حسین نکہت سہسوانی نے مولانا برکت اللہ کا وطنِ مالوف بدایوں اور خلافت تحریک کے لیڈر غازی عبدالرحمٰن صدیقی نے سہ ماہی ’اردو‘ جولائی 1941 میں فتح پور تحریر کیا ہے، لیکن اس کی تردید مولانا کے مکتوب بنام علامہ ابوالنصر سیّد احمد بھوپالی سے ہوتی ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

”موچیوں کے محلّہ میں کمنی گروں کی مسجد کے پاس مدرسہ سلیمانیہ کو جاتے ہوئے حکیم قادر علی کا مکان تھا، ان کے فرزند کا نام صادق علی ہے، اس مکان میں ہم تولد ہوئے تھے“۔

مولوی شجاعت اللہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ بھوپال آئے تو پہلے قصبہ سیہور کے ایک سرکاری مدرسے میں ملازم ہوئے، بعد میں بھوپال منتقل ہونے پر انھیں کمنی گروں کے پاس حکیم قادر علی کے مکان میں رہنے کو جگہ مل گئی۔ برکت اللہ کی پیدائش کے وقت وہ فصیلِ شہر کے باہر چھاؤنی ولایتان کی مہندی والی پولس چوکی میں محرر تھے، یہ مقام اب منگل وارہ روڈ پر ’رموزی مارکیٹ‘ کے نام سے موسوم ہے بعد ازاں اس چوکی کے قریب ہی مولوی صاحب نے اپنا مکان بنالیا تھا، یہ وہی جگہ ہے جہاں مولانا آزاد سینٹرل لائبریری کے مقابل برکت اللہ بھون تعمیر ہوا ہے۔

مولانا برکت اللہ کا بچپن اِسی محلّے میں گزرا، والد خود عالم وفاضل تھے، اس لیے ابتدائی تعلیم ان کی زیرِ نگرانی مسجد باجوریان میں ہوئی، جب ذرا بڑے ہوئے تو مدرسہ سلیمانیہ میں داخل ہوگئے، یہ مدرسہ اس وقت یونانی شفاخانہ کی موجودہ عمارت میں قائم تھا۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں تعلیم کی تکمیل پر مولانا کی قابلیت وصلاحیت کی بنا پر اسی مدرسے میں استاد مقرر ہوگئے۔ ان کا شمار ذہین طالبِ علموں میں ہوتا تھا اور زیادہ وقت شہر کی مختلف مسجدوں میں استادوں سے سبق لینے میں صرف ہوجاتا تھا، علم سے اس گہرے شغف کا اندازہ لگا کر مولانا کے ایک ساتھی شاہ صاحب نے جن کی بعد میں اُن کی ہمشیرہ سے شادی ہوئی، مشورہ دیا کہ وہ قرآنِ مجید حفظ کرلیں۔ مولانا برکت اللہ نے اپنے گھر کے قریب واقع مسجد بڑھ والی میں شب وروز صرف کرکے کسی استاد کے بغیر صرف چھے ماہ میں قرآنِ پاک حفظ کرلیا اور اسی سال رمضان میں تراویح کے دوران سنایا تو سب حیران رہ گئے۔

گلابی اردو کے موجد ملا رموزی رقم طراز ہیں: ”مطالعے کے شوق کا ایک واقعہ میرے والد صاحب قبلہ (محمد صالح) سناتے تو علامہ کی یاد سے ان کے آنسو جاری ہوجاتے تھے، والد صاحب نے بتایا کہ علامہ کے دونوں ہاتھوں کی کہنیوں کے نیچے گوشت کی دو چھوٹی چھوٹی گیندیں بن گئی تھیں، شب کے مطالعے میں جب علامہ کو نیند آتی تو مطالعہ کی فکر اور شوق سے علامہ اپنی کہنی کو موتی محل کی چاندنی کے پختہ فرش پر اس زور سے رگڑ دیتے تھے کہ بعض اوقات خون نکل آتا اور اس کی سوزش سے علامہ کی نیند کا غلبہ کافور ہوجاتا تھا۔ چوں کہ وہ عرصے تک اس طرح کہنیوں کو زخمی کرکے مطالعہ کرتے رہے، اس لیے کہنیوں کا گوشت مردہ ہوکر گیندوں کی شکل میں ابھر آیا تھا۔ میرے والد صاحب علامہ کی تحصیلِ علم میں مستعدی کو دہراتے ہوئے بار بار فرماتے تھے کہ پڑھو تو برکت کی طرح پڑھو ورنہ چھوڑ دو“۔

(ملا رموزی ’مشاہیر بھوپال‘ سے)

علامہ قاضی وجدی الحسینی کے بقول:

”مولانا کا یہ عہدِ شباب تھا، جہاں پہنچ کر ہر نوجوان یا تو لذت پرستی میں گرفتار ہوکر دنیا ومافیہا سے بیگانہ ہوجاتا ہے یا اگر صاحبِ عزت وہمت ہے تو شہرت پسندی اور جاہ طلبی کے پیچھے دوڑتا ہے لیکن مولانا کی زندگی اس سے دور نظر آتی ہے۔“ (مولانا برکت اللہ بھوپالی، صفحہ 76)

اسی اثنا میں مولانا برکت اللہ کی ملاقات عالمِ اسلام کی مشہور شخصیت جمال الدین افغانی سے بھوپال میں ہوئی تو ان کے انقلاب آفریں نظریات کے علاوہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی روزگارِ زمانہ تصنیف ’حجۃ اللہ البالغہ‘ کے مطالعے نے مولانا برکت اللہ کی فکر ونظر پر گہرا اثر ڈالا اور ان کے اندر کا سویا ہوا انقلابی جاگ گیا۔ جب تک وہ بھوپال میں رہے، انقلاب کی اس آگ نے انھیں چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ علامہ یوسف قیصر تحریر کرتے ہیں:

”میرے استاد حافظ غلام احمد فروغی، جہانگیریہ اسکول کے ہیڈ مولوی تھے ابراہیم پورہ میں ان کی کتابوں کی ایک چھوٹی سی دوکان بھی تھی وہ کہا کرتے تھے کہ لمبا کرتا، پاجامہ اور بعض وقت لنگی کرتے پر صدری، منڈھے ہوئے سر پر سفید عمامہ، معمولی داڑھی، دوکان پر آتے، اور آتے ہی عمامہ سر سے اتار ڈالتے اور گفتگو شروع کردیتے، پہلے تو کچھ دیر رسمی گفتگو کرتے اور اسی گفتگو میں اگر کوئی اچھا موضوع نکل آتا تو ان کی تقریر شروع ہوجاتی، دو چار طالبِ علم جو اس وقت مولوی فروغی سے پڑھنے آتے تھے اور کچھ لوگ بطورِ تفریح بیٹھ جاتے اور تقریر سنا کرتے تھے، کبھی کوئی کسی بات پر اعتراض کردیتا تو اس پر مولوی برکت اللہ کو غصہ آجاتا اور بلند آواز سے بولنا شروع کردیتے، مغرب تک بحث جاری رہتی، نمازِ مغرب کی اذان سنتے ہی پیر جی والی مسجد میں چلے جاتے۔ کبھی کسی راہ گیر دوست کو آواز دے کر بلا لیتے اور ان سے گفتگو کرتے رہتے۔ مولوی عبدالقادر ناظم کی زبان سے اکثر سنا ہے کہ اگر کبھی ہندستان کا نظم ونسق زیر بحث آگیا تو مولوی برکت اللہ کی پیشانی پر سیکڑوں شکنیں پڑجاتیں، وہ اپنے جذبات میں اس قدر کھو جاتے اور اس موضوع پر اس قدر بلند آواز سے گفتگو کرتے کہ راہ گیر تک کھڑے ہوجاتے اور ان کی صورت تکتے رہتے“۔

(ہفت روزہ ’ایاز‘ بھوپال نمبر، صفحہ 38)

علامہ یوسف قیصر کا خیال ہے کہ نواب صدیق حسن خاں جو ایک مشہور عالم وفاضل اور سیکڑوں تصانیف کے مالک تھے۔ نواب صاحب کے نظریات کی وجہ سے انگریز حکومت نے ان کے خطاب واعزاز چھین کر مرتے دم تک ایک نظر بند قیدی کی طرح رکھا، مولوی برکت اللہ کے زمانے میں بھی ظلم واستبداد کا یہی حال تھا اس لیے اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کا بھی بھوپال سے اخراج کردیا گیا ہو تو اِس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔

مولانا برکت اللہ بھوپالی کا ریاست بھوپال سے اخراج ہوا ہو یا وہ ملک کی آزادی کے لیے عملی جدوجہد میں شامل ہونے کے لیے یہاں سے گئے ہوں، اس پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ علامہ قاضی وجدی الحسینی کے الفاظ میں مولانا برکت اللہ کی کتابِ زندگی کا ایک اہم باب انگریزی پڑھنے کا شوق ہے جو ان کے دل میں کیوں پیدا ہوا۔ اس بارے میں ایک حکایت یہ مشہور ہے کہ مولانا برکت اللہ کے نام کہیں سے ایک ٹیلی گرام آیا، انگریزی میں ہونے کی وجہ سے اس وقت اسے سمجھنے کے لیے کافی دوڑ دھوپ کرنا پڑی، یہیں سے مولانا کو انگریزی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، اس میں عیسائی مشنریوں کے مقابلے کا جذبہ بھی شامل ہوگیا لہٰذا بھوپال کی پابند زندگی کو خیرباد کہہ کر 1883 کی ایک شام پُراسرار طور پر اچانک وہ بھوپال سے غائب ہوگئے، اس کی اطلاع نہ ہمشیرہ کو دی، نہ خصوصی احباب کو، اس ناگہانی گمشدگی پر ان کی تلاش بھی ہوئی لیکن سراغ نہیں مل سکا۔ مولانا کی حیات کا باقی ماندہ حصہ میرا موضوع نہیں، ایک دو واقعات ضرور ایسے ہیں جو بھوپال سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے یہاں ان کا ذکر ضروری ہے۔

بھوپال کے ایک نوجوان جو بعد میں رفیق روسی کے نام سے مشہور ہوئے ایک وفد کے ساتھ ہجرت کرکے تاشقند ہوتے ہوئے ماسکو پہنچے، وہاں ان کی مولانا برکت اللہ سے ملاقات ہوئی تو مسرور ہوکر فرمایا ”تیس سال بعد آج میں اپنے ہم وطن کی صورت دیکھ رہا ہوں“، بقولِ رفیق روسی مرحوم اپنے دوست واحباب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مولانا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور پرانی یادیں تازہ ہوگئی تھیں۔ ایسی ہی یادوں کا اعادہ مولانا برکت اللہ نے منشی شاکر حسین نکہت کے نام مکتوب میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

”آپ کا محبت نامہ چوالیس سال بعد زوریخ میں ملا، چوں کہ خارق العادہ واقعہ تھا، بے حد وانداز ہ خوشی ہوئی... دنیا کے بڑے بڑے لوگ دیکھے مگر بھوپال کے سیدھے سادے لوگ، چھوٹے چھوٹے مکان اور تنگ تنگ گلیاں اب تک محبوب ومرغوبِ خاطر ہیں، آپ نے ان کو یاد دلا کر شاد فرمایا“۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک بیقرار روح کی طرح پوری دنیا کے چکر کاٹنے والے انقلابی مولانا برکت اللہ بھوپالی کا دل اپنے وطن بھوپال کی یاد سے کبھی خالی نہیں رہا ہے۔

20-گھاٹی بھڑ بھونجہ روڈ، تلیا، بھوپال-462001
E-mail:arifazizbpl@rediffmail.com
Mob. No. 9425673760

اردو دُنیا

دھلی کے سی ایم شری اسکولوں میں تیسری زبان کے طور پر اردو کا انتخاب کریں: شمس الدین

نئی دہلی (29 ستمبر)۔اکھل دہلی پراتھمک شکشک سنگھ (اے ڈی پی ایس ایس) کے سکریٹری شمس الدین نے کہا ہے کہ دہلی کے سی ایم شری اسکولوں میں تیسری زبان کے طور پر اردو کی پوسٹ بنائی گئی ہے، اس لیے والدین اور سر پرست اپنے بچوں کو آمادہ کریں کہ وہ تیسری زبان کے متبادل کے طور پر اردو کا انتخاب کریں۔انھوں نے بتایا کہ سی ایم شری اسکولوں میں تیسری زبان لینا لازمی ہے،جس میں طلبہ کو اردو، سنسکرت اور پنجابی میں سے کسی ایک زبان کو منتخب کرنا ہوگا۔شمس الدین نے کہا کہ اردو زبان نہ صرف ہمارے تہذیبی ورثے کی نمائندگی کرتی ہے بلکہ بچوں کے تعلیمی اور لسانی فروغ میں بھی اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ نئی نسل کو اردو سے جوڑنے کے لیے والدین اور اساتذہ دونوں کو مشترکہ کوشش کرنی چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے اردو زبان کی طرف راغب ہوں۔ (انقلاب۔دہلی)

اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کا احتجاج اور مظاہرہ

اردو ٹی ای ٹی امیدواروں کا یہ تاریخی احتجاج ومظاہرہ جسے پورے بہار کی اردو آبادی اور مسلم تنظیموں کی حمایت حاصل ہے

پٹنہ (24 ستمبر)۔آج سیکڑوں کی تعداد میں مظاہرین گاندھی میدان سے وزیرِ اعلا کی رہائش گاہ کا گھیراؤ کے لیے نکلے۔پولیس کے ساتھ نوک جھونک اور جھڑپ ہوئی اور راستے میں ہی مظاہرین کو روکا گیا تو انھوں نے حکومت کے خلاف جم کر نعرے بازی کی۔تقریباً چالیس امیدواروں کو گرفتار کر کے بس میں بٹھا کر پولیس لے گئی۔اردو بنگلہ ٹی ای ٹی سنگھ کے ریاستی صدر مفتی حسن رضا امجدی نے کہا کہ اپنی بات پہنچانے کے لیے ہم نے وزیرِ اعلا کی رہائش گاہ کے گھیراؤ کا فیصلہ لیا۔ بارہ ہزار امیدوار جو دس سالوں سے دَر دَر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں وہ صرف ایک رزلٹ کا مطالبہ کررہے ہیں۔دس سالوں سے پورے بہار میں دھرنا، ریلی، گھیراؤ اور بھوک ہڑتال مسلسل جاری ہے۔محکمۂ تعلیم کی لیٹر جاری ہوگیا، لیگل اوپینین بھی امیدواروں کے حق میں آگیا نیز وزیرِ اعلا نے درجنوں بار رزلٹ جاری کرنے کی یقین دہانی بھی کرائی لیکن ابھی تک ہم پورے بہار کے اردو ٹی ای ٹی امیدوار سیاست کے شکار بنے ہوئے ہیں۔مفتی حسن رضا امجدی نے یہ بھی کہا کہ درجنوں بار دونوں ایوانوں میں اردو ٹی ای ٹی کے رزلٹ پر آواز اٹھائی گئی لیکن ہر جگہ صرف یقین دہانی ہی ہوئی، ابھی حکومت اردو ٹی ای ٹی کے علاوہ سارے کاموں کو کررہی ہے۔آج سیکڑوں کی تعداد میں پورے بہار سے آئے ہوئے امیدوار کرو یا مرو کی حالت میں سڑکوں پر اتر کر رزلٹ کا مطالبہ کررہے ہیں۔پورے بہار کی اردو آبادی کا مطالبہ ہے کہ جنرل ہندی ٹی ای ٹی کی طرح اردو ٹی ای ٹی کا رزلٹ بھی جاری کیا جائے۔کئی لڑکیوں کی شادیاں ٹوٹ چکی ہیں، کچھ امیدواروں کی عمر ختم ہوگئی۔مفتی حسن رضا امجدی نے یہ بھی کہا کہ اگر پندرہ دن کے اندر حکومت رزلٹ جاری کرنے کی یقین دہانی نہیں کراتی ہے تو ہم حکومت کے تمام مسلم لیڈران کا بائیکاٹ کریں گے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

سمستی پور میں اردو میں پوسٹ گریجوٹ سطح پر تعلیم کا فقدان

سمستی پور (27 ستمبر)۔انجمن ترقی اردو سمستی پور کے ضلعی صدر اسرار دانش نے ایک بیان جاری کرتے ہوئے کہا ہے کہ سمستی پور ضلع کے کسی بھی کالج میں اردو مضمون میں Post Graduate سطح پر تعلیم کی سہولت موجود نہیں ہے۔ یہ صورتِ حال بہار کی دوسری سرکاری زبان اردو کے ساتھ کھلی ہوئی ناانصافی ہے۔انھوں نے کہا کہ ایک طرف حکومت اردو کی ترقی اور ترویج کے لیے مختلف پروگرام اور اسکیمیں چلا رہی ہے، مگر دوسری طرف ریاست کے تعلیمی اداروں میں اردو کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جارہا ہے، اس دوہرے رویّے سے طلبہ شدید متاثر ہورہے ہیں۔اردو کے طلبہ کو اعلا تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنے ضلع سے باہر جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ان پر اضافی معاشی بوجھ اور ذہنی دباؤ بڑھتا ہے۔ یہ کیفیت نہ صرف طلبہ کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ اردو زبان کی نشو ونما اور ترقی میں بھی رکاوٹ ہے۔اسرار دانش نے حکومتِ بہار اور یونی ورسٹی انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ فوری طور پر سمستی پور ضلع سمیت اُن تمام اضلاع کے کالجوں میں جہاں اردو کے طلبہ بڑی تعداد میں ہیں، Post Graduate سطح پر تعلیم کی باقاعدہ شروعات کرائی جائے تاکہ بہار کی دوسری سرکاری زبان کے ساتھ انصاف ہو اور طلبہ کو اپنے ہی ضلع میں اعلا تعلیم حاصل کرنے کا موقع مل سکے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

اُردو میڈیم اساتذہ کے ساتھ متعصّبانہ رویّہ

ورنگل (15 ستمبر)۔حال ہی میں گورنمنٹ ہائی اسکول لشکر بازار ہنمکنڈہ میں ضلعی سطح کا ٹی ایل ایم یعنی تدریسی اقتصادی اشیا (ٹیچرس لرننگ میٹریل) میلے کا انعقاد عمل میں لایا گیا، جس میں اردو میڈیم اور تلگو میڈیم کے اساتذہ نے شہر اور منڈلوں سے شرکت کی اور پروگرام میں حصہ لیا۔اس پروگرام میں اردو میڈیم اساتذہ سے متعصّبانہ رویّہ اختیار کیا گیا کیوں کہ اس پروگرام میں ہنمکنڈہ کے دو اردو اساتذہ اور پرکال سے ایک اردو میڈیم سے وابستہ استاد نے حصہ لیا۔انتظامیہ کی جانب سے ٹی ایل ایم کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے 10 افراد پر مشتمل ایک ججمنٹ کمیٹی بھی قائم کی گئی، مگر افسوس کہ اس کمیٹی میں کوئی بھی اردو داں معلم کو شامل نہیں کیا گیا، جب کہ دس کے دس تلگو داں حضرات کو ہی کمیٹی میں شامل کیا گیا۔اردو میڈیم کے اساتذہ نے جو ٹی ایل ایم اپنے ساتھ لائے تھے اس کو جانچنے پرکھنے کے لیے کوئی اردو داں نہیں تھا۔اگر ہوتا تو اردو میڈیم اساتذہ کی جانب سے تیار کیے گئے ٹی ایل ایم کو جانچا اور پرکھا جاتا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ (سیاست۔حیدر آباد)

اردو کے حوالے سے نیوز چینلوں کو وزارت کی طرف سے نوٹس بھیجنا افسوسناک

نئی دہلی (26 ستمبر)۔شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی مولانا ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نے کہا کہ وزارتِ اطلاعات ونشریات کی طرف سے بڑے نیوز چینلوں کو اردو کے حوالے سے نوٹس دیا جانا افسوسناک ہے۔ صرف ایک شخص کی شکایت پر وزارت کا نوٹس جاری کرنا جلد بازی میں اٹھایا گیا نامناسب قدم ہے۔اردو ہندستان کی زبان ہے، اس کی تخلیق ہندستان میں ہوئی ہے، یہ محبت اور مٹھاس کی زبان۔اگر دیکھا جائے تو اردو زبان ہندستان میں ہندی کے بعد سب سے زیادہ بولی جانے والی اور سمجھی جانے والی زبان ہے۔خبروں میں وہ الفاظ بولے جاتے ہیں جو آسان ہوں، عام فہم ہوں اسی لیے ہندی میں کچھ انگریزی زبان کے الفاظ بھی شامل کر لیے جاتے ہیں۔جس شخص نے نیوز چینلوں کی شکایت کی ہے وہ کسی تعصب کا شکار معلوم ہوتا ہے لیکن وزارت کے افسر کو متعصب ذہن کا نہیں ہونا چاہیے۔ (انقلاب۔دہلی)

نوجوانوں کے خوابوں کا ہندستان جامع ترقی وخوشحالی کا حامل ہوگا: پروفیسر ملند سدھا کر مراٹھے

وکست بھارت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ہر ممکن اجتماعی، انفرادی وادارہ جاتی کوششیں کرنی ہوں گی: خواجہ افتخار احمد

قومی اردو کونسل کے زیر اہتمام ’نوجوانوں کے خوابوں کا ہندستان قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے تناظر میں‘ کے عنوان سے پینل ڈسکشن

نئی دہلی (16 ستمبر، پریس ریلیز)۔نوجوانوں کے خوابوں کے ہندستان میں بنیادی طور پر جامع ترقی وخوشحالی شامل ہے، یعنی ایسی ترقی جس میں سماج کے تمام طبقات شامل ہوں۔ان خیالات کا اظہار نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا کے چیئرمین پروفیسر ملند سدھا کر مراٹھے نے انڈیا انٹرنیشنل سنٹر، نئی دہلی میں قومی اردو کونسل کے زیرِ اہتمام ’نوجوانوں کے خوابوں کا ہندستان: قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے تناظر میں‘ کے عنوان سے پینل ڈسکشن میں صدارتی خطاب کے دوران کیا۔انھوں نے کہا کہ آج کے مسابقتی دور میں نوجوانوں کو ایک دو موضوع میں مہارت کے ساتھ مختلف موضوعات کی جانکاری حاصل کرنا ضروری ہے۔ پروفیسر ملند سدھا کر نے نوجوانوں کو ہمیشہ سیکھتے رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ وزیرِ اعظم نریندر مودی جی کی قیادت میں تشکیل پانے والی نئی تعلیمی پالیسی میں وکست بھارت کے تمام ممکنہ عوامل کو ملحوظ رکھا گیا ہے جنھیں روبہ عمل لانا خاص طور پر ہمارے تعلیمی اداروں، ان کے ذمے داران اور اساتذہ وطلبہ کی ذمے داری ہے۔

اس سے قبل پروگرام کے آغاز میں شال پیش کر کے معزز مہمانوں کا استقبال کیا گیا اور استقبالیہ کلمات کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شمس اقبال نے پیش کیے۔مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ نوجوان کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور ہمارے وزیرِ اعظم عزت مآب نریندر مودی نے وکست بھارت کا جو وژن دیا ہے، اس میں بھی نوجوانوں کا خاص کردار ہوگا۔انھوں نے کہا کہ کسی بھی ملک کی ہمہ جہت ترقی تبھی ممکن ہے جب وہ معاشی اعتبار سے خوشحال، سماجی سطح پر جامع اور ثقافتی اعتبار سے وائبرنٹ ہو۔انھوں نے کہا کہ اس وقت پورے ملک میں کالج، یونی ورسٹی اور اسکول کی سطح پر کروڑوں بچے داخل ہیں، جن کی معیاری تعلیم و تربیت پر ہی ہمارے قومی مستقبل کا انحصار ہے، اس لیے ہمیں نسلِ نو کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ملک کی ترقی کے تئیں ان کے اندر غیر معمولی حساسیت وفعالیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

مہمانِ خصوصی اور بین المذاہب ہم آہنگی فاؤنڈیشن کے سربراہ خواجہ افتخار احمد نے اپنے خطاب میں کہا کہ وکست بھارت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ہمارے پاس بائیس سال کا عرصہ ہے، جس میں ہمیں ہر ممکن اجتماعی، انفرادی وادارہ جاتی کوششیں کرنی ہوں گی۔ انھوں نے کہا کہ آج کا ہندستان خوابوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ خواب ہے ہر شعبے میں ہندستان کو نمبر ایک بنانے کا، جس کے لیے ہمیں متحرک نوجوانوں کی خاص ضرورت ہے۔انھوں نے نوجوانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کیجیے اور اسے کسی بھی مرحلے میں کم نہ ہونے دیجیے، ہمارا ملک مواقع سے بھرا پڑا ہے، ان سے فائدہ اٹھا کر ملکی ترقی میں اپنا کردار ادا کیجیے۔

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

سکریٹری آفس میں اردو مترجمین کی تعداد میں اضافہ کیا جائے :رافعہ ماہر

نئی دہلی (29 ستمبر)۔سیتا رام بازار وارڈ کی کونسلر اور اسٹینڈنگ کمیٹی کی ممبر رافعہ ماہر نے کہا کہ ایم سی ڈی کے سکریٹری آفس میں اردو مترجمین کی تعداد کو بڑھایا جائے، میں نے اس معاملے پر ایم سی ڈی ہاؤس میں بھی یہ تجویز پیش کی ہے۔ایم سی ڈی میں 250 کونسلرس کے لیے ایجنڈہ تیار کرنے کے لیے اردو کا محض ایک مترجم موجود ہے اور اگلے سال وہ بھی ریٹائر ہوجائے گا، لہٰذا ایم سی ڈی سکریٹری، کمشنر کو چاہیے کہ پہلے کی طرح اردو مترجمین کی تعداد کو پانچ یا سات کریں۔انھوں نے کہا کہ ایم سی ڈی میں صفائی ملازمین کی کم تعداد بھی ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر بھی میں نے متعدد مرتبہ ہاؤس میں آواز اٹھائی ہے لیکن ایم سی ڈی کی موجودہ سرکار سوئی ہوئی ہے، ہم ان کو جگانے کے کام پر مامور ہیں اور جب تک ہم عوامی مفاد سے جڑے تمام کام ان سے نہیں کرالیں گے اسی طرح آواز اٹھاتے رہیں گے۔ (انقلاب۔دہلی)

حکومتِ بہار ٹاؤن ہائر سیکنڈری اسکول حاجی پور میں اردو استاد بحال کرے

حاجی پور (23 ستمبر)۔سماجی، تعلیمی اور مذہبی خدمت گار ڈاکٹر عظیم انصاری اور ڈاکٹر جمال انصاری نے مشترکہ طور پر بیان جاری کرکے بہار کے وزیرِ اعلا جناب نتیش کمار اور وزیرِ تعلیم سے حاجی پور شہر کے مشہور و معروف ٹاؤن ہائی اسکول میں اردو استاد کی بحالی کرنے کی مانگ کی ہے۔انھوں نے کہا ہے کہ اس اسکول میں اردو کے سیکڑوں طلبہ وطالبات زیرِ تعلیم ہیں۔اسکول میں اردو کے استاد نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کی مادری زبان اردو کی پڑھائی متاثر ہے۔ان لوگوں نے کہا کہ یہ اسکول پلس ٹو تک کا ہے اور اس میں اردو طلبہ وطالبات کی اچھی خاصی تعداد ہونے کے باوجود بھی اردو زبان کے کوئی استاد نہیں ہیں۔مختلف تنظیموں سے وابستہ شخصیات کے ذریعے برسوں سے اسکول میں اردو اساتذہ کی کمی کی شکایت کی جارہی ہے لیکن محکمۂ تعلیم کی طرف سے ابھی تک کوئی خاطر خواہ اقدام نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے اسکول کے بچوں کو اپنی مادری زبان اردو کی پڑھائی میں دقّت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ڈاکٹر عظیم انصاری اور جمال انصاری نے کہا کہ اس اسکول میں آٹھ سے بارہ سو بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں زیادہ تر بچے اردو زبان کے ہیں لیکن اردو پڑھانے کے لیے کوئی استاد موجود نہیں ہے۔انھوں نے کہا کہ ایک زمانے میں اسکول میں اردو کے استاد موجود تھے لیکن ان کے تبادلے کے بعد کوئی دوسرا استاد نہیں بھیجا گیا جس کے سبب اب بچے اپنی مادری زبان پڑھنے سے محروم ہو رہے ہیں۔ڈاکٹر عظیم انصاری اور ڈاکٹر جمال انصاری نے ایک بار پھر حکومتِ بہار اور محکمۂ تعلیم سے مطالبہ کیا ہے کہ جلد از جلد ٹاؤن ہائی اسکول میں اردو کے اساتذہ مامور کیے جائیں تاکہ بچوں کی اردو تعلیم متاثر نہ ہوسکے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

اردو اور اقلیتوں کے مسائل کے حل کے لیے

قانونی مدد پر مشاورت

حیدرآباد (17 ستمبر)۔تلنگانہ کے ممتاز ماہرِ قانون جناب محمد مظفر اللہ خاں شفاعت ایڈوکیٹ نے کہا کہ وہ اقلیتوں اور اردو کے دیرینہ حل طلب مسائل پر جو بھی قانونی مدد ہوگی وہ آخری سانس تک کریں گے۔ ان خیالات کا اظہار تلنگانہ اردو فورم ایجوکیشن سوسائٹی کے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے انھوں نے کیا۔وفد کی قیادت محمد اسماعیل الرب انصاری نے کی۔بعد ازاں مظفر اللہ خاں شفاعت ایڈوکیٹ سے خصوصی ملاقات میں اردو اور اقلیتوں کے مسائل پر بطورِ خاص مشاورت کی اور جائزہ لیا۔انھوں نے کہا کہ اردو ہندستان کی سیکولر زبان ہے جس نے آزادی کی لڑائی میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔وفد میں ہاجرہ انصاری (پرنسپل ایرا ٹائلنٹ اسکول عطاپور، رنگ روڈ)، محمد ایوب الرب انصاری، جناب صلاح الدین بزرگ قائد کے علاوہ سیّد مجتبیٰ عابدی (صدر نشیں تلنگانہ اردو کونسل)، سیّد فصیح اللہ (کنوینز کورسپانڈنٹ ایرا ٹائلنٹ اسکول)، محمد مسعود علی (صدر ہیومن رائٹس)، عرشیہ ناہید (کنوینور شعبۂ خواتین) و دیگر شامل تھے۔ (سیاست۔حیدرآباد)

مولوی محمد باقر نے اپنی شہادت سے صحافت کو عروج بخشا:ایس.ایم.اشرف فرید

مولوی محمد باقر کو صرف اردو والے ہی نہیں بلکہ پوری قوم کو یاد کرنا چاہیے

پٹنہ (18 ستمبر)۔جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے جو قربانیاں دی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔مولوی محمد باقر نے بھی اپنی جان کی پروا کیے بغیر انگریزوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کردیا۔ یہ باتیں آبروے صحافت اردو میڈیم فورم کے سرپرست اور 'قومی تنظیم' کے چیف ایڈیٹر ایس.ایم.اشرف فرید نے اردو میڈیا فورم کے زیرِ اہتمام گورنمنٹ اردو لائبریری میں منعقد مولوی محمد باقر کی یومِ شہادت پر اپنے صدارتی خطاب میں کہیں۔انھوں نے صاف طور پر کہا کہ ملک کو جب بھی ضرورت پڑی مسلمانوں نے اپنی جان و مال نچھاور کرکے ملک کو بچانے کی پوری کوشش کی۔آج طلبہ کو مسخ شدہ تاریخ پڑھانے کی روایت چل پڑی ہے جو ملک کے لیے نہایت ہی خطرناک ہے۔انھوں نے کہا کہ مجاہدینِ آزادی نے انگریزوں کے چنگل سے ملک کو آزاد کرانے کے لیے بڑی جدوجہد کی۔مولوی محمد باقر نے اپنی شہادت پیش کرکے ملک کی صحافت کو بلند مقام عطا کیا جس کی وجہ سے آنے والی نسلیں انھیں ہمیشہ یاد رکھیں گی۔انھوں نے کہا کہ مولوی باقر کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد و دیگر شخصیات کو بھی یاد کرنا ضروری ہے۔اردو میڈیا فورم کے سرپرستِ اعلا پروفیسر سیّد شاہ شمیم الدین احمد منعمی نے فرمایا کہ مولوی محمد باقر نے جامِ شہادت نوش کیا جن کی یاد ہم منا رہے ہیں۔ یہ صرف اردو والے ہی نہیں بلکہ پوری قوم کو یومِ شہادت منانی چاہیے۔ وہ پہلے صحافی تھے جو شہید ہوئے۔ یہ مسئلہ بعد کا ہے کہ وہ کس زبان کے صحافی تھے۔ انگریزوں کو اندازہ ہوگیا تھا کہ اب ان کی غلط روش کو بھارت کے لوگوں نے سمجھ لیا ہے اور اب بھارت سے ہمیں بھاگنا ہی ہوگا۔انھوں نے کہا کہ ایثار اور قربانی سے ہی بڑی تحریک کامیاب ہوسکتی ہے۔موجودہ دور کی صحافت کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ آج صحافیوں پر بڑی ذمے داری ہے، انھیں سچ اور جھوٹ کا پتا کرنا ہوگا اور بہ بانگِ دہل اپنی بات کہنی ہوگی۔

'ہمارا سماج' کے چیف ایڈیٹر و ایم ایل سی ڈاکٹر خالد انور نے کہا کہ ریاستی حکومت سبھی طبقوں کے لیے کام کر رہی ہے، کچھ کام باقی ضرور ہے لیکن اسے جلد ہی پورا کیا جائے گا۔ سبھی سطح پر کارروائی بھی ہو رہی ہے۔انھوں نے مزید کہا کہ مولوی محمد باقر ایک نڈر، اور بے باک صحافی تھے۔مشہور افسانہ نگار مشتاق احمد نوری نے کہا کہ مولوی محمد باقر نے جو شہادت پیش کی ہے وہ قابلِ قدر ہے، ہم انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا عزم کرتے ہیں۔انھوں نے کہا کہ مولوی محمد باقر نے اپنے اخبار کے ذریعے انگریزوں کے خلاف کھل کر لکھا جس کے پاداش میں انھیں توپوں سے اُڑا دیا گیا۔انھوں نے سچائی اور حق کو سامنے رکھ کر باطل کے سامنے نہ جھکنے کا نمونہ پیش کیا اور یہ ثابت کیا کہ جب بھی باطل اور حق کے درمیان مقابلہ آرائی ہوگی اُس وقت سچ کے ساتھ کھڑا رہنا ضروری ہے۔سینئر صحافی احمد جاوید نے اپنے خطاب میں کہا کہ مولوی محمد باقر اپنے دور کے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے مختلف عہدوں پر کام کیا اور آخر کار اخبار نکالا، جس کی مقبولیت کی بنیاد پر انگریز اس کے دشمن ہوگئے۔ انھوں نے 'دہلی اردو اخبار' نکالا۔ہمیں ان کی زندگی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ان کی صحافت نے معیاری اور باشعور اخبار پیش کیا اور 1857 کی جنگِ آزادی میں اہم رول ادا کیا۔ کچھ لوگوں نے ہندو مسلم اتحاد کو توڑنے کی کوشش کی اور مسلکی بنیاد پر بھی عوام کو بانٹنے میں لگے رہے لیکن مولوی باقر نے اسے ناکام کردیا۔انھوں نے کہا کہ لوگ آج بھی فتنہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، ہمیں ان عناصر سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

گورنمنٹ اردو لائبریری کے چیئرمین ارشد فیروز نے کہا کہ مولوی محمد باقر کی شہادت کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔انھوں نے کہا کہ لائبریری میں ایسے شہیدوں کی تصاویر آویزاں کی جائیں گی تاکہ نئی نسل کو ان سے سبق حاصل کرنے میں مدد مل سکے۔ انھوں نے کہا کہ لائبریری ایسے کاموں کے لیے ہمیشہ پیش پیش رہی ہے اور آگے بھی اردو کے مفاد میں کام کرتی رہے گی۔

پٹنہ یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے استاد پروفیسر شہاب ظفر اعظمی نے مولوی محمد باقر کی شہادت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ 1857 کی جنگ میں انھوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے اُن سے قوم کو واقف ہونا ضروری ہے۔ (اردو ایکشن۔بھوپال)

ڈاکٹر ماجد داغی کنڑ جاگرتی سمیتی حکومتِ کرناٹک کے رکن نامزد

بنگلور (13 ستمبر)۔مسٹر کے آر رمیش، انڈر سکریٹری برائے حکومت کرناٹک، محکمۂ کنڑ و ثقافت (انتظامی کنڑ) کے دفتر سے جاری احکام کے مطابق ریاست کرناٹک میں کنڑا زبان کے فروغ و اشاعت اور کنڑ زبان کی ترقیاتی پروگراموں کے موثر نفاذ کو یقینی بنانے کے لیے 11 ایم سی سی، کے بشمول بنگلور مہانگر پالیکا، اسمبلی حلقوں اور ریاست کے 30 اضلاع میں ضلعی سطح پر کنڑ جاگرتی سمیتی کے لیے ریاست کے معزز و معروف غیر سرکاری اراکین کو حکومتِ کرناٹک کے انڈر سکریٹری، محکمہ کنڑ اور ثقافت (انتظامی کنڑ) کی تشکیل شدہ سمیتی کی فہرست کو عزت مآب گورنر ریاست کرناٹک کی منظوری کے بعد جاری کردیا گیا، جس میں گلبرگہ کے ممتاز سینئر صحافی، ادیب، محقق اور نقاد ڈاکٹر ماجد داغی کا نام بھی شامل ہے۔

کوسگی میں ضلع پریشد ہائی اسکول اردو میڈیم کی جدید عمارت کا افتتاح

کوسگی، تلنگانہ (24 ستمبر)۔تلنگانہ کے وزیرِ اعلا جناب ریونت ریڈی کے بھائی مسٹر ترپت ریڈی حلقہ کوڈنگل کے انچارج کے ہاتھوں ضلع پریشد ہائی اسکول اردو میڈیم کی جدید عمارت کا افتتاح عمل میں آیا۔اس موقعے پر اسکول کی صدر معلّمہ و اساتذہ خواجہ قطب الدین، خان کرام درانی، محمد حنیف اور کوڈنگل اتھارٹی ڈیولپمنٹ آفیسر وینکٹ ریڈی، ڈی ای او مسٹر گوویندیم، ای او مسٹر شنکر نایک اور مولانا قادری، محمد آصف قادری، محمد ادریس اور راگھوور دھن ریڈی وغیرہ موجود تھے۔

(سیاست۔حیدرآباد)

◆◆◆

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : **گُلِ دوگانہ**
شاعر : سیّد کاشف رضا
اشاعت : 2025
ضخامت : 208 صفحات
قیمت : 300 روپے
ملنے کا پتا : انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، 212، راؤز ایونیو نئی دہلی-110002
تبصرہ نگار : خورشید اکرم
E-mail: khursid.akram@yahoo.in

پاکستان کے کوئی درجن بھر احباب مجھے بہت عزیز ہیں ان میں ایک سیّد کاشف رضا بھی ہیں۔ وہ نثر اور شاعری دونوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت میں ایک ڈائنمزم ہے، جو مجھے ان کی تحریروں کو پڑھنے پر آمادہ کرتی ہے خواہ میں ان سے متفق نہ ہوں۔ وہ ان محدود لوگوں میں سے ہیں جو ادب کے علاوہ سیاست اور سماجی معاملات کے موضوع پر بھی باتیں کرتے ہیں اور بے لاگ کرتے ہیں، بلکہ میں کہوں کہ اندرونِ ملک معاملے میں وہ راست باز اور ہندو پاک معاملے میں 'پاک باز' واقع ہوئے ہیں۔ خیر! یہ مزاج المومنین کا معاملہ ہے۔ اس کا کوئی تعلق ان کے ادبیات سے نہیں ہے۔

سیّد کاشف رضا کا شعری مجموعہ 'گلِ دوگانہ' پاکستان کے بعد اب ہندستان میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیرِ اہتمام شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں غزلیں بھی ہیں اور نظمیں بھی۔ سیّد کاشف رضا کی غزل سے مجھے پہلی بار سابقہ پڑا ہے۔ ان کی نظموں اور ناول سے آشنائی تھی لیکن غزل سے نہیں، اس لیے میں نے غزلیں زیادہ شوق سے پڑھنا شروع کیں اور میں یہ کہوں گا کہ مجموعی رائے اچھی بنی۔ غزل کی شاعری کا ایک مسئلہ، میرے نزدیک یہ ہے کہ آیا وہ کسی تجربے سے گزر کر شعر بنا ہے یا کوئی عام سی بات کو ہی جس کے پسِ پردہ کوئی خاص تجربہ نہیں تھا، نظم کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے پایا کہ کاشف رضا کے بیشتر اشعار مقابلتاً پیچیدہ داخلی یا فکری تجربے کے زائدہ معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرا بڑا مسئلہ اظہار کی سلاست کا ہے یعنی یہ کہ شعر اپنی قرات میں کیسا ہے۔ یہ وہ وصف ہے جس پر قدما کی تعریف و تحسین کا سارا دارومدار ہوتا تھا۔ یعنی ہمارا کلاسکی مذاقِ سخن اسی کا دلدادہ تھا یا اسی کے ارد گرد گھومتا تھا۔

سیّد کاشف رضا کی غزلیہ شاعری میں اظہار کی سلاست ہے، روانی ہے، زبان و بیان کو برتنے کا سلیقہ ہے۔ انھیں غزل کے محاورے کی سمجھ ہے اور شعر گوئی پر دسترس ہے۔ میرے نزدیک یہ بات فوری طور پر خوشگوار حیرت کا باعث اس لیے ہے کہ کاشف رضا مجھے نثر کے آدمی زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ ناول کے علاوہ بھی وہ نثری تحریریں یا شذرے لکھتے ہیں اور کھری نثر میں لکھتے ہیں جو ان کی نثر نگاری کی فطری صلاحیت کو درشاتے ہیں۔ کھری نثر سے میری مراد نثر کو پہلے تو خیال کے رومان سے بچانا اور پھر زبان کے رومان یعنی تکلف اور آرائش سے بچانا ہوتا ہے۔ غزل، بقولِ رشید احمد صدیقی، ایک دھان پان صنفِ سخن ہے۔ چناں چہ غزل کی شاعری کی اپنی ایک نفاست ہے جس کی ناز برداری نثر نگار کے ماچو ہاتھ بمشکل کر پاتے ہیں۔ یوں بھی غزل کی شاعری میں چار طرح کی پابندی ہوتی ہے: لفظوں کی محدود تعداد کی، بحر کی، ردیف کی اور قافیے کی۔ نظم میں صرف بحر کی پابندی ہوتی ہے اس میں بھی ارکان کی کمی بیشی کی چھوٹ ہوتی ہے (طویل نظموں میں ایک سے زیادہ بحروں کے استعمال کی بھی چھوٹ ہوتی ہے) جب کہ نثر میں اس طرح کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ نثر نگار اپنے خیال پر مرکوز رہ سکتا ہے اور اپنی پسند کے الفاظ چن سکتا ہے۔ شاعری کو اور بالخصوص غزل کی شاعری کو درج بالا پابندیوں کی وجہ سے اپنے خیال سے کم یا زیادہ اکثر سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ غزل کی اتنی پابندیوں کے بعد بھی جب کوئی نثر نگار غزل کی تنگ گلی سے دور نہ گزر جائے (جیسے سیّد کاشف رضا گزرے ہیں) تو ایک بار کو، فکر و خیال سے قطع نظر بھی، داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

'گلِ دوگانہ' کے لغوی معنی جوڑا پھول کے ہوتے ہیں لیکن کاشف رضا نے اسے دوجینڈر یعنی بائنری جیسے رات اور دن یا مرد اور عورت کے جوڑے میں لیا ہے اور اسی طرح برتا ہے۔ اس کی کچھ فلسفیانہ توضیح بھی انھوں نے کتاب کے مقدمے میں کی ہے:

"گل دوگانہ میرے لیے ایک وجود کے دوسرے وجود سے تعلق کی تمثال ہے۔ چاہے یہ تعلق موجود ہو، چاہے تعلق کی حسرت ہو، چاہے تعلق سے پہلے کی آرزو ہو، چاہے تعلق کی اونچ نیچ کی کشاکش ہو، چاہے تعلق ٹوٹنے کے بعد کا رنج ہو"۔

مگر اشعار ان توضیحات سے آزاد ہیں۔ ہونا بھی چاہیے تھا کیوں کہ ہر شعر ایک اکائی ہوتا ہے اور اپنے معنی میں آزاد۔ شعر میں نہاں معنی کا سیاق وسباق اس کے اپنے لفظوں میں ہی ہوتا ہے۔ اسے کسی باہری کمک کی ضرورت نہیں پڑتی یا کم از کم نہیں پڑنی چاہیے۔

کاشف کی شاعری طبیعیات کی شاعری ہے مابعد الطبیعیات کی نہیں جب کہ غزل کی شاعری کا جھکاؤ مابعد الطبیعیات کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ اگر میں غلط نہیں تو، طبیعیاتی فکر کے سہارے غزل کو بلندی پر لے جانے والا کوئی بڑا شاعر ابھی اردو میں پیدا نہیں ہوا۔

اس کتاب کو پڑھتے ہوئے مجھے عرفان صدیقی کا ایک شعر بار بار یاد آتا رہا:

دل میں خاشاک ہوس بھی ہے وفا کی شمع بھی
دیکھنا یہ ہے کہ اس کا قرب کیا روشن کرے

یہ شعر دو متضاد کیفیت یا جذبات سے بنا ہے یعنی کہ ہوس بھی ہے اور وفا بھی۔ یہ کوئی آئیڈیل حالت نہیں ہے جس کا احساس عاشق کو بھی ہے اس لیے وہ اپنے عمل کو معشوق کے طرزِ عمل سے مشروط کر رہا ہے۔ کاشف کے یہاں ان متضاد کیفیات کا اظہار اس نوع کے شعروں میں اچھی طرح ہوا ہے:

ادھیڑ دیتا ہوں آنکھوں سے پیرہن اس کا
مرا جنون ہے وہ جانور بدن اس کا

اور

میرا سایہ ہے سرِ دیوارِ یار
اور اس کو رشک سے تکتا ہوں میں

کاشف رضا کی اس شاعری کا محور جسم کا وصال ہے جس کے بے شمار پہلو ہیں، تمنا سے تکمیلِ تمنا تک۔ تاہم ان کے یہاں بسورتی ہوئی ناآسودگی نہیں ہے، نامرادی نہیں ہے، فرسٹریشن بھی نہیں ہے۔ ان کے ہاں جو چیز ہے وہ ایروٹیکا سے کم اور عشق میں حجابی بدن کے مشرقی تصور سے کچھ سوا ہے۔ یعنی یہ کہ شاعر کا محبوب یا منظورِ نظر ہے تو دسترس میں مگر اس خلوت میں نہیں جہاں ارمان سارے بند توڑ کر نکل جاتے ہیں۔

زیادہ تر اشعار جو معنوی اور اظہاری دونوں سطحوں پر اچھے معلوم ہوتے ہیں وہ 'لبریز' ہیں یعنی جن میں یا تو تشنگیِ لب ہے یا آسودگیِ لب۔ یعنی لب کی طلب سب سے زیادہ ہے، اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ بہشتِ وصل کا دروازہ لب ہی تو ہے۔ اس کتاب کے بیشتر اچھے شعر وہی ہیں جو بوسہ اور لب کی تڑپ میں کہے گئے ہیں:

شروعِ عشق سے پہلے وہ لب پسند کیے
اور ایک بوسۂ وحشی سے مہر بند کیے

جھکا میں اور میرے ساتھ جھک گئے افلاک
برائے بوسہ جب اس نے وہ لب بلند کیے

ایسا لگا کہ پہلی بار میں نے سنا ہو اپنا نام
اس کے لبوں نے میرا نام ایسا سنوار کر لیا

معاف کر دیے اس کے دیے ہوئے سبھی زخم
اتر گیا مرے بوسے میں اشتعال مرا

مرے چومے ہوئے ہونٹوں پہ کیسا داغ ہے یہ
یہاں تو میرے بوسے کا نشاں رکھا ہوا تھا

اس نے دانتوں میں دبایا تھا کچھ اس طرح سے ہونٹ
جیسے اس ہونٹ میں دھڑکی ہو کوئی خواہش سی

کتاب کی آخری غزل جو پچاس سے زیادہ اشعار پر مشتمل ہے اور جس کے ہر شعر میں لفظ سایے کو ایک موٹیف کی طرح استعمال کیا گیا ہے، سیّد کاشف رضا کی پُرگوئی کا نمونہ ہے۔ نموناً یہ چند شعر:

اپنے سایے سے جنم لیتا ہوں میں
صبح اپنے جسم سے کھیلتا ہوں
سارا دن کرتا ہوں سایے کی طرح
رات کو خود میں سما جاتا ہوں میں
دل پہ سایہ ہے یہ کیسے دھیان کا
چلتے چلتے لڑکھڑا جاتا ہوں میں
میرا سایہ ہے سرِ دیوارِ یار
اور اس کو رشک سے تکتا ہوں میں

'گل دوگانہ' میں نظمیں بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ نظم کسی تجربے کے بغیر نہیں بنتی۔ اور تجربے کا سفر لمبا بھی ہوتا ہے۔ وہ لمبا کاوا کاٹ کے اپنے کنارے تک پہنچتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ جتنا لمبا کاوا کاٹے گا اسے اتنی ہی طرح کی آوازوں، کیفیات اور احساسات سے گزرنا پڑے گا۔ نظم کو اپنی بات کہنے کے لیے تجربے کے سفر کو بیان کرنا پڑتا ہے۔ سیّد کاشف رضا نظم کے معتبر شاعر ہیں اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ نظم کی راہِ دشوار ان کے لیے نئی نہیں۔

غزلوں کی طرح کتاب میں شامل بیشتر نظمیں بھی بدنی جذبات، لذات یا کشش کے آس پاس ہی ہیں۔ مجھے ان کی متعدد نظمیں خاصی پسند آئیں مگر بطورِ خاص تیسری نظم 'میں لمس کی دھار سے'۔ یہ ایک پیچیدہ تجربے کا بہت سبک اظہار ہے۔ تجربہ یہ کہ عاشق کسی کو ہوسناک نگاہوں سے دیکھتا ہے لیکن جب وہ خود اس کی دسترس میں آجاتا ہے تو عاشق کے اندر کی ہوسناکی ختم ہو جاتی ہے اور ایک محبوبانہ تقدس یا محجوبی اس کی جگہ لے لیتی ہے۔

میں لمس کی دھار سے بدن کو بڑی نفاست سے کاٹتا تھا/ مگر مرے ہاتھ رک گئے ہیں/ میں جانتا تھا/ نگاہ کس زاویے پہ رکھنے سے حسن کے بند ٹوٹتے ہیں/ مگر مری آنکھ جھک گئی ہے/ تمھاری آنکھوں میں دور تک جھانکتی محبت نے/ مجھ کو شرمندہ کر دیا ہے۔۔۔

کچھ اور عشقیہ نظمیں بھی خاصی اچھی ہیں جو رنج اور افسردگی کے احساسات کی زائیدہ ہیں مثلاً 'میں کہیں اور تھا':

میں کہیں اور تھا/ وصل بے عشق سے/ زندگانی کی گاڑی کو دھکا لگاتا ہوا/ تم کہیں اور تھیں/ اپنے مقسوم سے ضرب پر ضرب کھاتی ہوئیں۔۔۔ تم کہیں اور تھی/ میں کہیں اور تھا'

یا 'قیدی دنوں میں' جیسی افسردہ کر دینے والی یہ نظم:

تمھیں دیکھیں تو اب آنکھوں کی شمعیں جھلملاتی تک نہیں ہیں/ اور لب کچھ بھی نہیں کہتے/ بس ایک دل ہے کہ جواب بھی دھڑکنا بھول جاتا ہے/ کوئی آنسو بہت اندر کہیں کروٹ بدل کر جاگ اٹھتا ہے/ کہیں اس دل کی ٹوٹی چارپائی سے کوئی بچہ ہمک کر فرش پر گرتا ہے/ اور پھر روتے روتے آپ ہی خاموش ہو جاتا ہے/ کوئی اس کو سینے سے لگائے کیوں/ تم اپنی شرع بے تنویر کے ہالے میں قیدی ہو/ میں ایک عزت کی تہمت سر پہ رکھے خاک بر سر ہوں

اردو میں شاعری بہت زیادہ ہو رہی ہے۔ کتابیں بھی بہت شائع ہو رہی ہیں۔ ایسے میں ہر کتاب کو پڑھنے کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر 'گل دوگانہ' اپنے آپ کو اس لیے پڑھوانے میں کامیاب ہے کہ اس کے اندر سے بولتے ہوئے انسان کی آواز معمول سے ہٹ کر بھی ہے اور صاف وشفاف بھی۔

◆◆◆

بحرِ اقبالیات کا شناور: پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

ومرکز اقبالیات رہا لیکن انھوں نے دیگر موضوعات پر بھی کتابیں لکھیں بالخصوص ان کے سفرنامے اردو سفرناموں کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے سفرناموں میں 'پوشیدہ تیری خاک میں' (سفر نامۂ اندلس)، سورج کو ذرا دیکھ (سفرنامۂ جاپان)، اردو کے علمی وادبی حلقے میں قبولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ یوں تو پروفیسر رفیع الدین ہاشمی مزاجاً گوشہ نشیں تھے اور خاموشی سے علمی وادبی کام کرنے میں یقین رکھتے تھے لیکن دنیائے ادب نے ان کے علمی کارناموں کو نہ صرف سر آنکھوں پر رکھا بلکہ حکومت پاکستان نے انھیں تمغۂ امتیاز (2015)، صدارتی اقبال ایوارڈ اور بابائے اردو ایوارڈ سے بھی نوازا۔ مجھے یاد آرہا ہے کہ ان کے ایک شاگرد عزیز ڈاکٹر خالد ندیم نے ان کی علمی وادبی خدمات پر مشتمل مضامین کو کتابی صورت میں 'ارمغانِ رفیع الدین ہاشمی' شائع کیا تھا جس میں اردو، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں بھی پروفیسر ہاشمی کی شخصیت اور فکر وفن پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اقبال انسٹی ٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر کے ڈائرکٹر پروفیسر بشیر احمد نحوی جو ایک نامور اقبال شناس بلکہ حافظ اقبال ہیں کہ انھیں علامہ اقبال کا مکمل اردو اور فارسی کلام ازبر ہے، انھوں نے بھی رفیع الدین ہاشمی کی اقبال شناسی کا اعتراف کیا ہے اور اقبال انسٹی ٹیوٹ میں رفیع الدین ہاشمی کے فکر وفن پر تحقیقی مقالے لکھوائے ہیں۔

واضح ہو کہ اقبال شناسی کا باقاعدہ آغاز مولوی احمد دین کی کتاب 'اقبال' (1924) سے ہوا تھا۔ اگرچہ مولوی احمد دین کی اس کاوش کو علامہ اقبال نے ناپسند کیا تھا، اس لیے اس کی تمام کاپیاں جلادی گئی تھیں لیکن بعد میں ترمیم واضافے کے ساتھ 1926 میں شائع ہوئی۔ علامہ کی حیات میں مشہور ادبی جریدہ 'نیرنگ خیال' کا اقبال نمبر شائع ہوا تھا اور 9 جنوری 1938 کو پہلی بار یوم اقبال منایا گیا تھا جس میں مولانا اسلم جیراجپوری، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر تاثیر، پروفیسر عابد علی اور اس وقت کے کئی مشاہیر نے اس میں شرکت کی تھی اور بعد میں سمینار کے ان مقالوں کو 'اسپیکٹس آف اقبال' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا تھا۔

غرض کہ اقبالیاتی ادب کا آغاز علامہ اقبال کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آزادی کے بعد پاکستان میں اقبال کی شاعری اور ان کی ذہنی وفکری ارتقا پر خاص توجہ دی گئی اور ہندستان میں بھی اقبال کی شخصیت اور فکر وفن کو موضوع بنایا جانے لگا اور آہستہ آہستہ پوری دنیا میں اقبالیات ایک بیکراں سمندر کا روپ اختیار کر گیا۔ بحرِ اقبالیات میں غوطہ زن ہو کر فکرِ اقبال کے نایاب گوہر کی دستیابی میں جن اقبال شناسوں نے اپنی زندگی وقف کردی ان میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی یکتا نظر آتے ہیں۔ وہ بحرِ اقبال کے ایسے شناور ہیں جنھوں نے اقبالیاتی ادب کو عروج بخشنے میں اپنی زندگی وقف کردی اور اقبال سے محبت کرنے والوں سے بھی اس قدر محبت کی مثال قائم کی کہ شاید رفیع الدین ہاشمی اس معاملے میں بھی ہمیشہ مثالی شخصیت کے حامل رہیں گے۔

بلاشبہ رفیع الدین ہاشمی ایک اقبالیاتی شخصیت کے مالک تھے اور صحت مند فکر ونظر، تنقیدی بصیرت وبصارت اور سرمایۂ اخلاقیات کے پیکر تھے۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت کا اس مختصر تاثراتی مضمون میں احاطہ ممکن نہیں کہ ان کی نصف صدی کی علمی وادبی خدمات بالخصوص اقبال شناسی قاموسی ادب کا درجہ رکھتی ہے۔ اقبالیاتی تنقید اور اقبالیاتی تحقیق کو انھوں نے جو معیار بخشا ہے وہ اقبال شناسوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جس وقت اقبالیاتی ادب پر جمود طاری تھا اس وقت انھوں نے ان نامساعد حالات میں بھی اقبالیاتی ادب کو حرزِ جاں بنائے رکھا اور پوری دنیا میں اقبال کی شخصیت اور فکر وفن پر شائع ہونے والے مقالات ومضامین کی فہرست سازی اور مطبوعہ کتابوں کی وضاحتی کتابیات کی اشاعت کو اپنا فریضۂ اولین سمجھا جس کی بدولت آج علامہ اقبال کی شخصیت، شاعری اور فکر وفلسفہ پر ہزاروں کتابوں تک بہ آسانی رسائی ہو جاتی ہے کہ انھوں نے اقبالیاتی ادب کو ایک اسکول آف تھاٹس کا مقام عطا کیا۔ اقبال کی شخصیت اور فکر پر ان کے جو مضامین ومقالات ہیں ان کے مطالعے سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا مطالعہ کتنا عمیق تھا اور وہ مصدرِ اقبالیات سے کس قدر آگاہ تھے۔ انھوں نے اپنے ایک مقالے 'دورِ حاضر میں فکرِ اقبال کی معنویت' میں معنویت فکرِ اقبال کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''آج ان کی وفات کو آٹھ عشرے بیت چکے ہیں مگر ان کی شاعری اب بھی بہ دستور تر وتازہ اور بامعنی ہیں... ان کی شاعری اور ان کے خطوط انگریزی خطبات کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ علامہ اقبال جیسی بصیرت اور ان جیسا ویژن بیسویں صدی کے کسی اور شاعر کے یہاں نظر نہیں آتا۔ علامہ اقبال نے صرف عصر حاضر کی خرابیوں کے بیان اور ان کی نشاندہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انھوں نے عصرِ حاضر کو انسانیت کے لیے ملک الموت قرار دیتے ہوئے اس کے چنگل سے بچنے اور رہائی پانے کا ایک مختصر، جامع مگر کافی وشافی نسخہ تجویز کیا ہے''۔

(اقبال کی عصری معنویت، مرتب: ڈاکٹر مشتاق احمد، 2010، ص: 248-49)

افسوس صد افسوس کہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی اب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ 25 جنوری 2024 کو وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کا جسد خاکی تو اب کبھی نگاہوں میں آنے والا نہیں ہے لیکن جب تک علامہ اقبال کے افکار ونظریات ہماری فکر ونظر کا حصہ بنتے رہیں گے اس وقت تک پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کے اقبالیاتی عشق کا جادو سر چڑھ کر بولتا رہے گا کہ مرحوم نے روحِ اقبال کو اپنے اندر حلول کر لیا تھا۔ پروفیسر ہاشمی کے سانحۂ ارتحال کی خبر راقم الحروف کو جیسے ہی ملی یادوں کا ایک طویل سلسلہ پرت در پرت کھلتا چلا گیا۔ ان کی محبتیں اور ان کے بے لوث خلوص نے اشکباری پر مجبور کر دیا۔ میں نے اپنی زندگی میں اقبال سے ایسی محبت کرنے والا کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا۔ اقبال کے ایک سچے عاشق پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی یہ بات بار بار یاد آرہی ہے کہ ہم بحرِ اقبالیات کے ساحل پہ کھڑے ہیں اور پروفیسر رفیع الدین ہاشمی بحرِ اقبالیات کے شناور ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ اب جب میں اپنے اس تاثراتی مضمون کو یہیں تمام کر رہا ہوں تو غالب کا یہ شعر بار بار ذہن پر دستک دے رہا ہے:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تونے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

بلاشبہ رفیع الدین ہاشمی کے انتقال سے نہ صرف پاکستان میں اقبال شناسی کا ایک روشن چراغ گل ہو گیا ہے بلکہ تمام اقبال شناسوں کے لیے ان کا سانحۂ ارتحال ایک صدمۂ عظیم ہے اور بالخصوص میرے لیے صدمۂ جانکاہ کہ انھوں نے میرے اندر کی اقبال شناسی کی چنگاری کو شعلہ بنانے میں ہوائے تند کا کام کیا تھا۔

پروفیسر مشتاق احمد
پرنسپل، سی. ایم. کالج، دربھنگہ (بہار)
E-mail: rm.meezan@gmail.com
Mob. No. 9431414586

نوجوانوں کے خوابوں کا ہندستان قومی تعلیمی پالیسی 2020 کے تناظر میں

(بقیہ صفحہ 4 سے آگے)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے سابق چانسلر فیروز بخت احمد نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ نئی تعلیمی پالیسی کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں نئی نسل کو معلومات سے لیس کرنے کے ساتھ نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق نئے ہنر سے آراستہ کرنے پر بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔ ٹائمس آف انڈیا، ممبئی سے وابستہ مشہور انگریزی صحافی محمد وجیہ الدین نے کہا کہ نئی تعلیمی پالیسی نوجوانوں کو سپنے بننے کی تلقین کرتی، نئی تبدیلیوں، تکنیکی ترقیات سے ہم آہنگی سکھاتی، جدید اسکلز سیکھنے پر زور دیتی اور مستقبل کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ ڈاکٹر سید مبین زہرا (ایسوسی ایٹ پروفیسر، آتما رام سناتن دھرم کالج، دہلی یونیورسٹی) نے اپنی تقریر میں کہا کہ نئی تعلیمی پالیسی میں نوجوانوں کے خوابوں کی تکمیل کا وافر سامان مہیا کیا گیا ہے اور انھیں موجودہ زمانے میں ضروری علوم کے حصول کی نہ صرف ترغیب دی گئی ہے بلکہ اس کے مختلف آپشنز بھی دیے گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نئی تعلیمی پالیسی وکست بھارت کے منصوبے کے حصول کا بھی راستہ بتاتی ہے، انڈسٹری اور اکیڈمک کے بیچ کے فاصلے کو دور کرتی ہے اور تعلیمی شعبے کو درپیش چیلنجز کو بھی بخوبی دور کرتی ہے۔

اس موقعے پر معزز مہمانوں کے ہاتھوں قومی تعلیمی پالیسی 2020 کو سامنے رکھتے ہوئے، نئی نسل کے لیے قومی اردو کونسل سے شائع کی گئیں چھ کتابوں کا اجرا بھی عمل میں آیا، جن میں باتونی روما (ڈاکٹر شہناز رحمن)، چائے بگان کا کنول (ڈاکٹر سلمان عبدالصمد)، روی کے سہانے دن (ڈاکٹر توصیف بریلوی)، وطن کا سچا سپاہی مظہر الحق (نہاں رباب)، گول گھر کی سیر (نثار احمد) شامل تھیں۔ اس پروگرام کی نظامت ڈاکٹر فیضان الحق نے کی اور نہاں رباب کے اظہار تشکر کے ساتھ اس کا اختتام عمل میں آیا۔ اس موقعے پر اہلِ علم ودانش اور طلبہ و طالبات کی خاصی تعداد موجود رہی۔

◆◆

بحرِ اقبالیات کا شناور پروفیسر رفیع الدین ہاشمی

مشتاق احمد

پروفیسر رفیع الدین ہاشمی (9فروری1940–25 جنوری 2024) کا شمار اُن عاشقانِ اقبال اور ماہرِ اقبالیات میں ہوتا ہے جن کی بدولت اقبالیاتی ادب کو تاریخِ ادب اردو میں نہ صرف معیار و وقار عطا ہوا بلکہ عالمی ادب میں علامہ اقبال کے افکار و نظریات کو استحکام حاصل ہوا ہے۔ پروفیسر ہاشمی سے میرے مراسم کی مدت چار دہائیوں کو محیط ہے اور اس کی وجہ بھی صرف اور صرف ان کا عشقِ اقبال ہے۔واضح ہو کہ میں نے 1992 میں اپنا تحقیقی مقالہ برائے پی.ایچ ڈی لکھنا شروع کیا تھا اور اس کے لیے ملک اور بیرونِ ملک کے نامورانِ اقبال کے نام ذاتی مکتوب ارسال کرنے کے ساتھ ساتھ مؤقر اردو اخبارات و رسائل میں یہ اشتہار بھی جاری کیا کہ راقم الحروف ’اقبالیات کی وضاحتی کتابیات‘ کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہے لہٰذا اقبال کی شخصیت اور ان کے افکار و نظریات کے متعلق خواہ کسی بھی زبان میں کتاب شائع ہوئی ہو تو اس کی اطلاع فراہم کریں ۔ بالخصوص صاحبِ کتاب سے گزارش کی تھی کہ وہ کتاب کی دستیابی میں تعاون کریں۔میری گزارش پر جن ماہرینِ اقبالیات نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی اُن میں پروفیسر رفیع الدین ہاشمی بھی شامل تھے۔غرض کہ 1992 سے جب تک ہند و پاک کے درمیان ڈاک کی سہولت فراہم تھی اس وقت تک پروفیسر ہاشمی میرے لیے مواد فراہم کرتے رہے اور نئی مطبوعات کی اطلاع بھی دیتے رہے۔ان کے توسط سے ہی اقبال اکادمی، لاہور، پاکستان سے شائع ہونے والے مجلّہ ’اقبالیات‘ کے رئیسِ ادارت محمد سہیل عمر اور احمد جاوید سے بھی رابطہ قائم ہوا۔بالخصوص خادم علی جاوید، لائبریرین اقبال اکادمی، اقبالیات کے شماروں کے ساتھ ساتھ اپنی مطبوعات سے بھی نوازتے رہے ۔ ڈاکٹر جاوید اقبال بھی پاکستان میں شائع ہونے والی کتابوں اور مضامین ومقالات کی اطلاع فراہم کرتے رہے۔ میرا تحقیقی مقالہ ’اقبال کی وضاحتی کتابیات‘ جب کتابی صورت میں 2007 میں شائع ہوا تو انھوں نے نہ صرف خوشی کا اظہار کیا بلکہ اس کتاب کی پچاس کاپیاں وہاں منگوائیں اور جہاں کہیں مجھ سے کوتاہیاں ہوئی تھیں ان کی نشاندہی بھی کی۔ان ہی دنوں رسالہ ’آج کل‘ میں میرا ایک مقالہ ’اقبالیاتی ادب کا جائزہ‘ بھی شائع ہوا جس میں مَیں نے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کا نہ صرف ذکرِ خیر کیا تھا بلکہ ان کے تئیں اظہارِ تشکر بھی پیش کیا تھا۔حالیہ برسوں میں جب ہند و پاک کے تعلقات کشیدہ ہونے لگے اور ڈاک کا نظام معطل ہوگیا تو پھر ان سے خط و کتابت کا سلسلہ مفقود ہوگیا اور کتابوں کی لین دین بھی اثر انداز ہوگئی۔واضح ہو کہ میری ذاتی لائبریری میں علامہ اقبال کی شخصیت اور افکار و نظریات سے متعلق پانچ سو سے زائد کتابیں ہیں ان میں درجنوں نایاب کتابیں پروفیسر ہاشمی کی عطیات ہیں۔ ہندستان میں شائع ہونے والی ان کی پسندیدہ مطلوبہ کتابیں میں انھیں بھیجتا اور وہ اپنی پسندیدہ کتابیں بالخصوص اقبالیاتی ادب سے متعلق کتابیں مجھے بھیجتے اور ان کتابوں پر میری رائے بھی طلب کرتے۔ سال 2001 میں جب میں نے اپنا رسالہ ’جہانِ اردو‘ شروع کیا تو اس کے لیے بھی مضمون بھیجتے اور اپنے رفقا سے بھی بھجواتے تھے۔’جہانِ اردو‘ کا شمارہ اکتوبر 2004 تا مارچ 2005 اقبال نمبر جب شائع ہوا تو انھوں نے اقبال اکادمی، لاہور کے مجلّہ ’اقبالیات‘ کے شمارہ جولائی تا ستمبر 2005 میں ’جہانِ اردو‘ کا تعارف اور تبصرہ بھی نبیلہ شیخ کے قلم سے شائع کروایا۔

پروفیسر ہاشمی کو طالبِ علمی کے زمانے سے ہی علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کے افکار و نظریات میں دلچسپی تھی اور جب پیشۂ درس و تدریس سے وابستہ ہوئے تو انھوں نے اقبالیاتی ادب کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ جامعہ پنجاب سے ’اقبالیات کا تحقیقی اور توضیحی مطالعہ‘ کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر 1981 میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ۔ وہ اپنی ملازمت سے سبکدوشی سے پہلے شعبۂ اردو اورینٹل کالج کے صدرِ شعبہ بھی مقرر ہوئے اور وہاں سے ایک تحقیقی مجلّہ ’بازیافت‘ بھی شائع کیا اور ہائر ایجوکیشن کمیشن کے اعلا عہدوں پر بھی فائز رہے۔
اقبالیاتی ادب سے تعلق رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کی درجنوں تصانیف اقبال کے تصورِ زیست کی آئینہ ہیں اور بالخصوص اقبالیات کی وضاحتی کتابیات کو عام کرنے میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے۔

غرض کہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کو صرف علامہ اقبال سے ہی عشق نہیں تھا بلکہ اقبال کے چاہنے والوں سے بھی وہ جنون کی حد تک رشتہ قائم کرنے میں یقین رکھتے تھے۔ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کی پیدائش 9 فروری 1940 ضلع چکوال، پنجاب میں ہوئی تھی۔انھوں نے اورینٹل کالج لاہور سے 1963 میں بطور پرائیوٹ امیدوار بی.اے اور 1966 میں ایم.اے پاس کیا تھا۔وہ 1969 میں محکمۂ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور پاکستان کے مختلف کالجوں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ 1982 میں وہ اپنے مادرِ علمی اورینٹل کالج، لاہور میں تعینات ہوئے اور اپنی سبکدوشی تک اسی کالج میں بطور پروفیسر خدمات انجام دیتے رہے۔ پروفیسر ہاشمی کو طالبِ علمی کے زمانے سے ہی علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کے افکار و نظریات میں دلچسپی تھی اور جب پیشۂ درس و تدریس سے وابستہ ہوئے تو انھوں نے اقبالیاتی ادب کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ جامعہ پنجاب سے ’اقبالیات کا تحقیقی اور توضیحی مطالعہ‘ کے عنوان سے تحقیقی مقالہ لکھ کر 1981 میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وہ اپنی ملازمت سے سبکدوشی سے پہلے شعبۂ اردو اورینٹل کالج کے صدرِ شعبہ بھی مقرر ہوئے اور وہاں سے ایک تحقیقی مجلّہ ’بازیافت‘ بھی شائع کیا اور ہائر ایجوکیشن کمیشن کے اعلا عہدوں پر بھی فائز رہے۔

اقبالیاتی ادب سے تعلق رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کی درجنوں تصانیف اقبال کے تصورِ زیست کی آئینہ ہیں اور بالخصوص اقبالیات کی وضاحتی کتابیات کو عام کرنے میں ان کا کلیدی کردار رہا ہے۔ ان کی مطبوعہ کتابوں میں ’کتابیاتِ اقبال، تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، 1985 کا اقبالیاتی ادب: ایک جائزہ، 1986 کا اقبالیاتی ادب، اقبالیات کے سو سال، تحقیق اقبالیات کے ماخذ، اقبالیات تفہیم و تجزیہ، اقبال مسائل ومباحث، اقبال کی طویل نظمیں: فکری و فنّی مطالعہ، خطوطِ اقبال‘ اور ’اصنافِ ادب‘ قابلِ ذکر ہیں۔ اگرچہ ان کی تحقیق و تنقید کا محور ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر: محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی–110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)